یہی وہ طریق تعلیم ہے جو مغربی استعمار سے قبل اسلام میں رائج تھا۔ اس کے فارغ التحصیل تاجر بھی مبلّغ تھے۔ اسوقت کروڑوں اسلام کے نام لیوا انہیں مبلّغین اسلام کے مرہونِ منت ہیں۔

**تزکیۂ نفس** | اسلامی نظام تعلیم و تربیت کا چوتھا بنیادی اصول تزکیۂ نفس ہے (ویزکیہم) تعمیرِ سیرت و کردار میں تزکیۂ نفس کو محوری حیثیت حاصل ہے۔ اذہان و قلوب کی تمام اخلاقی بیماریاں، نیتوں اور ارادوں کے تمام فسادات کا علاج تزکیۂ نفس ہے۔ سرکاری عدالتی، تعلیمی، سیاسی، معاشرتی، جملہ امراض اور ان کے انسداد و تدارک کا واحد حل تزکیۂ نفس ہے۔ عہدِ رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انتہائی گمراہ، بدعنوان اور حیوانی صفات و اوصاف کی حامل قوم کو تزکیۂ نفس کے ذریعے دنیا کی سب سے بڑی بااخلاق، مہذب، متمدّن اور صاحبِ سیرت و کردار قوم بنا دیا تھا۔ خلفائے راشدین نے اسلام کے نظامِ تعلیم اور اس کے بنیادی اصول تزکیۂ نفس کی بدولت ایران، عراق، شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ کے انسانوں کو انسانیت سکھائی اور بعد کے ادوار میں یہ سلسلہ پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا۔

تزکیۂ نفس کا عمل نظامِ تعلیم کے تمام مدارج کا لازمی جزو ہونا چاہیئے۔ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ جو لوگ سمجھے بغیر قرانی آیات کی تلاوت کرتے ہیں وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور جو لوگ قرآن مجید کو ترجمہ کی مدد سے پڑھتے ہیں وہ تو یقیناً اس کا واضح اثر قبول کرتے ہیں۔ مگر تزکیۂ کا تعلق علم و تعلیم کی بجائے عمل سے زیادہ ہے۔ تلاوت اور تعلیم کتاب و حکمت کا تعلق تو تدریس سے ہے مگر تزکیہ کا تعلق خالصتاً عمل سے ہے۔ تزکیہ نفس میں معلّم کی ذات، سیرت و کردار اور نمونہ عمل بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔ استاد ایک طرف قرآنی تعلیمات کی تدریس کے فرائض انجام دے اور دوسری طرف ان تعلیمات کا عملی مجسمہ بن کر اپنی سیرت و کردار کے اعلیٰ، عمدہ اور پاکیزہ نقوش طلبہ کے صاف اذہان و قلوب پر ثبت کرے۔ قرآن حکیم میں تطہر اور تزکیہ کی اصطلاحات ساتھ ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ تطہر کا مفہوم یہ ہے کہ رذائل سے اجتناب اور فضائل سے آراستگی معلّم کے فرائض منصبی کا لازمی جزو ہے۔ تزکیۂ نفس کا مطلب ترکِ دنیا ہرگز نہیں۔ دنیا میں تزکیہ نفس کی افضل و اکمل ترین مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جتنی بھرپور زندگی آنحضرتؐ نے گزاری دنیا

میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی ہی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ "

**تربیت گاہیں** عہدِ نبوی کے نظامِ تعلیم و تربیت کا جو اجمالی خاکہ پیش ہوا اور اس کی روشنی میں موجودہ نظامِ تعلیم کی ترتیب و تدوینِ نو کے لئے جو تجاویز پیش ہوئیں ان پر عمل کی صورت میں آئندہ نسل کے اخلاق و کردار کی اصلاح کی توقع کی جا سکتی ہے، مگر موجودہ نسل کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس طرز پر مدوّنہ و مرتبہ نظامِ تعلیم کے لئے اساتذہ کہاں سے میسر آئیں؟ انہیں تقاضوں کے پیشِ نظر یہ تجویز ہے کہ اس نظام کا نقطۂ آغاز تربیت گاہیں قرار دی جائیں۔ اس وقت ہر درجہ تعلیم میں تعیناتی سے قبل اساتذہ کو تربیت قبل از ملازمت دی جاتی ہے۔ اگر ان تربیت گاہوں کو فعال بنا کر ان کے نظامِ تعلیم و تربیت کو دینی و ملی تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا جائے تو ایک مختصر مدت میں مطلوبہ معیار و قابلیت کے اساتذہ ہر سطحِ تعلیم پر میسّر آ سکتے ہیں۔

اس مقصد کا حصول تین اہم امور پر منحصر ہے۔

**اوّل:** تربیت گاہوں کو تعلیم گاہوں پر ترجیح دی جائے۔ قابل ترین، دیانتدار، محنتی اور جوشِ عمل و عقیدہ سے سرشار اساتذہ کو تربیت گاہوں میں مقرر کیا جائے، اس صورت میں اگر ایسے اساتذہ کو زیادہ سے زیادہ مراعات بھی دینی پڑیں تو ان سے دریغ نہ کیا جائے۔ تاکہ وہ پوری دلجمعی کے ساتھ مستقبل کے اساتذہ کی تربیت کے فرائض انجام دے سکیں۔

**دوم:** نصابِ تعلیم و تربیت میں کتاب و سنّت کی تعلیمات کو مرکزی و محوری حیثیت دی جائے انہیں مغربی فکر و فلسفہ کی ذیل کی حیثیت حاصل نہ ہو۔

**سوم:** تربیت اساتذہ پر مامور معلّمین کے انتخاب میں جہاں ان کی فنّی مہارت، علمی قابلیت، محنت اور جانفشانی کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے وہاں ان کے خود تزکیۂ نفس پر عمل پیرا ہونے اور اسوۂ حسنہ کو عملی طور پر اپنانے کو بھی لازمی شرط قرار دیا جائے۔

---

# مسئلہ وحدۃ الوجود

از قلم
پروفیسر یوسف سلیم چشتی

قرآن مجید سے بہ نص قطعی الدلالۃ فقط وحدت معبود ثابت ہوتی ہے اور نجات اخروی کا مدار اسی پر ہے۔ وحدت وجود اور وحدت شہود جس کے صوفیہ قائل ہیں وہ اشارۃ النص سے ثابت ہوتی ہے اور یہ دونوں عقیدے ہرگز وحدت معبود کے مخالف نہیں ہیں۔ چنانچہ سید قطب مرحوم جو تصوف کے مخالف تھے، اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" میں "ھو الاوّل والآخر والظاھر والباطن" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے وحدۃ الوجود کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو ان کی تفسیر سورۂ حدید)

حکمائے مشائین، بعض براہمہ، بعض جوگیہ اور بعض ویدانتی، جس وحدت وجود کو ثابت کرتے ہیں وہ دراصل وحدت وجود نہیں ہے۔ بلکہ حلول یا اتحاد کا نظریہ ہے۔ جو نصوص قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ اسمیں اللہ کی مستقل ہستی باقی نہیں رہتی خارج میں جو تشخصات ہیں وہی اس کا وجود ہیں۔ یعنی کائنات سے الگ خدا کا کوئی مستقل بالذات وجود باقی نہیں رہتا۔

واضح ہو کہ صوفیۂ صافیہ، حلول اور اتحاد اور تجسیم تینوں عقیدوں کو کفر اور الحاد سمجھتے ہیں۔ صالح محمود شبستری "گلشن راز" میں صاف لکھتے ہیں :-

حلول واتحاد ایں جا محال است
کہ در وحدت، دوئی عین ضلال است

مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ پاکستان میں تعلیم یافتہ حضرات بھی بہت سے ایسے ہیں جو وحدت وجود کو حلول کا مترادف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حلول میں خدا غائب ہو جاتا ہے۔ ساری کائنات خدا بن جاتی ہے۔ جسطرح شربت

میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ "

**تربیت گاہیں** عہدِ نبوی کے نظامِ تعلیم و تربیت کا جو اجمالی خاکہ پیش ہوا اور اس کی روشنی میں موجودہ نظامِ تعلیم کی ترتیب و تدوینِ نو کے لئے جو تجاویز پیش ہوئیں ان پر عمل کی صورت میں آئندہ نسل کے اخلاق و کردار کی اصلاح کی توقع کی جاسکتی ہے اگر موجودہ نسل کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس طرز پر مدوّنہ و مرتبہ نظامِ تعلیم کے لئے اساتذہ کہاں سے میسر آئیں ؟ انہیں تقاضوں کے پیش نظر یہ تجویز ہے کہ اس نظام کا نقطۂ آغاز تربیت گاہیں قرار دی جائیں۔ اسوقت ہر درجہ تعلیم میں تعیناتی سے قبل اساتذہ کو تربیت قبل از ملازمت دی جاتی ہے۔ اگر ان تربیت گاہوں کو فعال بنا کر ان کے نظامِ تعلیم و تربیت کو دینی و ملی تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا جائے تو ایک مختصر مدت میں مطلوبہ معیار و قابلیت کے اساتذہ ہر سطح تعلیم پر میسّر آسکتے ہیں۔

اس مقصد کا حصول تین اہم امور پر منحصر ہے۔

**اوّل:** تربیت گاہوں کو تعلیم گاہوں پر ترجیح دیجائے۔ قابل ترین، دیانتدار، محنتی اور جوشِ عمل و عقیدہ سے سرشار اساتذہ کو تربیت گاہوں میں مقرر کیا جائے، اس صورت میں اگر ایسے اساتذہ کو زیادہ سے زیادہ مراعات بھی دینی پڑیں تو ان سے دریغ نہ کیا جائے۔ تاکہ وہ پوری دلجمعی کے ساتھ مستقبل کے اساتذہ کی تربیت کے فرائض انجام دے سکیں۔

**دوم:** نصابِ تعلیم و تربیت میں کتاب و سنّت کی تعلیمات کو مرکزی و محوری حیثیت دی جائے انہیں مغربی فکر و فلسفہ کی ذیل کی حیثیت حاصل نہ ہو۔

**سوم:** تربیت اساتذہ پر مامور معلّمین کے انتخاب میں جہاں ان کی فنّی مہارت، علمی قابلیت، محنت اور جانفشانی کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے وہاں ان کے خود تزکیۂ نفس پر عمل پیرا ہونے اور اسوۂ حسنہ کو عملی طور پر اپنانے کو بھی لازمی شرط قرار دیجائے۔

# مسئلہ وحدۃ الوجود

از قلم
پروفیسر یوسف سلیم چشتی

قرآن مجید سے بہ نصِ قطعی الدلالۃ فقط وحدت معبود ثابت ہوتی ہے اور نجاتِ اخروی کا مدار اسی پر ہے۔ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود جس کے صوفیہ قائل ہیں وہ اشارۃ النص سے ثابت ہوتی ہے اور یہ دونوں عقیدے ہرگز وحدتِ معبود کے مخالف نہیں ہیں۔ چنانچہ سیّد قطب مرحوم جو تصوف کے مخالف تھے، اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" میں "هو الاول والآخر والظاهر والباطن" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے وحدۃ الوجود کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو ان کی تفسیر سورۂ حدید)

حکمائے مشائین، بعض براہمہ، بعض جوگیہ اور بعض ویدانتی، جس وحدتِ وجود کو ثابت کرتے ہیں وہ دراصل وحدتِ وجود نہیں ہے۔ بلکہ حلول یا اتحاد کا نظریہ ہے۔ جو نصوصِ قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ اسمیں اللہ کی مستقل ہستی باقی نہیں رہتی خارج میں جو تشخصات ہیں وہی اس کا وجود ہیں۔ یعنی کائنات سے الگ خدا کا کوئی مستقل بالذات وجود باقی نہیں رہتا۔

واضح ہو کہ صوفیۂ صافیہ، حلول اور اتحاد اور تجسیم تینوں عقیدوں کو کفر اور الحاد سمجھتے ہیں۔ صالح محمود شبستری "گلشنِ راز" میں صاف لکھتے ہیں:-

حلول و اتحاد ایں جا محال است
کہ در وحدت، دوئی عینِ ضلال است

مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ پاکستان میں تعلیم یافتہ حضرات بھی بہت سے ایسے ہیں جو وحدتِ وجود کو حلول کا مترادف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حلول میں خدا غائب ہو جاتا ہے۔ ساری کائنات خدا بن جاتی ہے۔ جسطرح شربت

میں شکر غائب ہو جاتی ہے۔ سارا پانی شکر بن جاتا ہے ۔

لیکن وحدت وجود میں خدا ہی خدا کا وجود برقرار رہتا ہے اور جسے ہم کائنات کہتے ہیں۔ یہ بذات خود کچھ نہیں ہے۔ صرف اس کی ذات کا جلوہ ہے یا اس کی صفات کا ظہور ہے۔

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا
ازماہ تا بماہی سب ہے ظہور تیرا
ماہیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا
اعیان ہیں مظاہر' ظاہر ظہور تیرا!

---

توحید ایک ایسا لفظ ہے جو وحدت معبود اور وحدت وجود اور وحدت شہود' تینوں معانی پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس حیثیت سے توحید اور وحدت وجود میں بھی فرق ہے یعنی وہ عام ہے۔ یہ خاص ہے۔ منطقی اصطلاح میں دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ پس مطلق توحید سے وحدت وجود سمجھنا غلطی ہے ۔

واضح ہو کہ وحدت وجود' انکشاف توحید کا نام ہے جس کا تعلق صرف مشاہدے سے ہے۔ چنانچہ جامیؒ فرماتے ہیں

"مغرور مشو بخود کہ توحید خدا ئے
واحد دیدن بود نہ واحد گفتن "

اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ وحدت وجود' خالص علمی مسئلہ ہے جسے صوفیہ اپنی اصطلاح میں "ربط حادث بالقدیم" کہتے ہیں۔ اسلامی سیر وسلوک اور مشاہدۂ انوار وتجلیات سے تو اس کا تعلق ہے مگر یہ علمی مسئلہ مدار نجات ہرگز نہیں ہے۔ کروڑوں مسلمان ایسے ہیں جو اس مسئلے کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں' اس کے باوجود ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں ہے ۔

"ربط حادث بالقدیم" کا مطلب یہ ہے کہ ممکنات یا مخلوقات کو واجب الوجود (اللہ) سے کیا نسبت یا تعلق ہے ؟

۱۔ متکلمین یہ کہتے ہیں کہ محض نسبت خلق ہے یعنی اس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور

خالق ومخلوق میں مغائرتِ تامّہ ہے۔

(۲) حکمائے مشائین اور براہمہ وجوگیہ (ویدانتی) کی تحقیق یہ ہے کہ باہم نسبت عینیّت ہے یعنی وہ ذاتِ واحد پہلے اجمال میں تھی، یہ کائنات اس کی تفصیل ہے۔ یعنی اب یہی عالم اس کی ذات ہے اور اس کا وجود ہی ہمارا وجود ہے۔ جب تفصیل ہو گی تو اجمال کہاں! اس کی مثال یہ لوگ تخم اور درخت سے دیتے ہیں کہ ہر درخت کی اصل تخم ہے۔ اسی تخم سے تنہ، شاخوں، پتّیوں، پھولوں اور پھلوں کی نمود ہوئی۔ سب کے نام جدا ہیں مگر حقیقت سب کی ہے۔

اب وہ تخم اپنی اصلی یا تخمی حالت میں باقی نہیں رہا بلکہ تمام وکمال صورتِ شجریہ میں ظاہر ہو گیا۔ (اسی کو اصطلاح میں حلول کہتے ہیں)

(۳) صوفیہ اسلامیہ کا مسلک :۔

حادثات (کائنات) اور قدیم (اللہ تعالیٰ) کے درمیان ظہور یا تجلّی کی نسبت ہے۔ ذات باری تعالیٰ مستقل بالذّات موجود ہے۔ تمام اشیائے کائنات اسی کی ذات کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ اگر ہم اس کی ذات سے قطع نظر کر لیں تو تمام اشیا معدوم ہیں۔ پس یہ امتیاز اشیاء باخود ہا نیز اُس ذاتِ مستقل سے بوجوہ تشخّصات ہے۔ جن کو اصطلاح میں وجوداتِ خاصہ کہتے ہیں اور اس کی مثال جیسے سیاہی اور حروف ونقوش۔ یعنی اصل تمام حروف کی وہی سیاہی ہے مگر حروف، عین سیاہی نہیں بلکہ سیاہی سے ناشی یا پیدا ہوئے ہیں۔ پس باعتبارِ حقیقتِ ہستی، فی الجملہ عینیّت ہے اور باعتبارِ ظہور، وہی نسبت صدور ومغائرت ہے۔

پس صوفیہ کے مذہب ومسلک کو حکماء وجوگیہ وبراہمہ وملاحدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں عینیّتِ محضہ ہے۔ لیکن یہاں عینیّت کے ساتھ ساتھ وجودات وموجوداتِ خاصہ بھی ہیں۔

اربابِ حلول کے یہاں وجودِ باری اب مستقل طور پر باقی نہیں رہا (جس طرح شربت میں چینی کا وجود باقی نہیں رہتا) وجہ یہ ہے کہ اربابِ حلول کے نزدیک وجود، کلّی طبعی ہے۔ (جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا) لیکن صوفیہ کے نزدیک وجود، جزئی حقیقی ہے جو فردِ واحد میں منحصر ہے۔ اسی فرد کو ہم اللہ کہتے ہیں۔ عارفِ جامیؒ فرماتے ہیں :۔

آں کانِ حُسن بُود نبود از جہاں نشاں !!
الآن اِن عرفت علی ما علیہ کان
اعداد و کون و کثرتِ صورت نمائش است
فَالکُل واحدٌ یتجلی بکل شان !

یہ کائنات فی الجملہ ایک ہی ہے جو مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔

"الآن اِن عرفت" پر خوب غور کرو کہ اس عالم ظہور سے اس پاک وجود کو اپنی ہستی کے بعینہٖ بقاء و کمال میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ بس اس قدر کہ ان العالم اعراضٌ مجتمعةٌ فی عین واحد یہ عالم جوہر نہیں ہے بلکہ مجموعہ اعراض ہے جو ایک ذات میں مجتمع ہو گئے ہیں اور وہ عینِ واحد وہی ذات ہے جو وجود منبسط ہے۔

شعر ثانی کے دوسرے مصرع پر بھی غور کرو یعنی فالکل واحدٍ ..... الخ واحد یا ایک ابتدائی عدد ہے جو بذاتِ خود مستقل ہے۔ پھر اس سے دو، تین، چار اور پانچ ہیں مگر وہ ایک، ان سب میں شامل ہے اور ان سب سے جدا اس کا ایک وجودِ مستقل بھی ہے۔ اسی طرح وہ وجود تمام کائنات میں بھی ہے اور فی نفسہٖ موجود مستقل بھی ہے اور اس میں نہ کمی ہے نہ بیشی

آثارِ تعینات چوں یافت حکے !! — کثرت ہمہ وحدت است بے ہیچ شکے !
چوں صورتِ حرف شد نہاں از رقمت — بنگر کہ وہ و صد و ہزار است یکے

(جامیؒ)

"ھذا طورٌ وراءَ طورِ عقول المتوسطہ" (ملا حسن)

اب رہی یہ بات کہ صوفیوں کو اس مسئلے کی تحقیق کی ضرورت کیوں پیش آئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ صوفیہ کا مسلک یہ ہے کہ شریعت فقط قیل وقال کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے عملی پہلو سے استفادے کا نام بھی ہے اور جب ہم نے اخلاص عمل اختیار کیا تو وہ انوار اور تجلیات جو صحابۂ کرامؓ پر منکشف ہوتی تھیں۔ ہم پر بھی ہونے لگیں۔

جب ہم نے بفحوائے ارشاد نبویؐ " ان تعبد ربك كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك " رویت ایزدی کا مراقبہ کیا اور بچشم حقیقت اس کا مشاہدہ کیا اور کبھی اسے اپنا دیکھنے والا پایا تو ان تجلیات اور مشاہدات نے ہمیں اپنی